پروفیسر وائی۔ ایس۔ طاہر علی

عربی ادب کا شاہکار

النظرات

(۳)

زمانۂ ماضی میں جس ادبیات سے مجھے لگاؤ تھا اس کے اثرات مجھ پر اب تک باقی ہیں میں نے کبھی غیروں کی باتیں لکھنا پسند نہیں کیا اور نہ میں نے ان کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ اس ہجر و فراق کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا جس سے میں کبیدہ خاطر نہ ہوا ہوں۔ کسی کی موت پر میں نہیں رویا تاوقتیکہ مجھے اس سے صدمہ نہ ہوا ہو۔ جو بات مجھے اچھی لگی میں نے اسے بُرا نہیں سمجھا۔ اور نہ بری بات کو میں نے کبھی اچھا سمجھا۔ اگر کسی جگہ میرا جانا ہوا اور وہاں مجھے لذت و طرب یا غم و اندوہ محسوس ہوا تو میں اسے اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ بالفاظ دیگر میں نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس کا اثر میرے دل و دماغ پر نہ پڑا ہو۔

جھوٹ بولنا یا جھوٹی بات سننا مجھے بے حد ناپسند ہے۔ ناگزیر حالات میں بھی جھوٹ سے کنارہ کش ہونا چاہتا ہوں۔ میں جھوٹوں سے دلی نفرت کرتا ہوں۔ حق و صداقت پر جنگ و جدل کرنا اپنا شعار ہے تاکہ لوگ سچ بولیں یا ان کے جھوٹ کی قلعی کھل جائے۔

میری بے بسی تو دیکھیے۔ زمانہ نے مجھے ہر طرح اپنا نشانہ بنایا اور کوئی بلا ایسی نہ تھی جو مجھ پر نہ ٹوٹی ہو۔ میں کئی بار ذلیل ہوا اور کئی روز تک مجھے مسلسل فاقہ کشی کرنی پڑی۔ سالہا سال مجھے تنگدستی اور افلاس کا سامنا کرنا پڑا۔ غرض کہ زندگی کی ہر تلخ بات مجھے چکھنی پڑی۔ چنانچہ غربا، اور مساکین کے حیات کی تلخی کا مجھے پورا پورا احساس ہے۔ میں نے بے بس لوگوں

کے سینوں کو چھلنی ہوتے دیکھا ہے۔ لہٰذا میرا یہ کام ہو گیا ہے کہ میں ہر مصیبت زدہ کی داستان پر آنسو بہاؤں اور کمزور کے لئے طاقتور سے اور محتاج کے لئے تونگر سے اور کوتاہ دست کے لئے بالانشین سے رحمدلی حاصل کروں اور اسے اپنا فرض عین سمجھوں۔

اپنے مقدمہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں اپنی آنکھوں سے ایک بے بس عورت کو ایک امیر شخص کے سامنے روتی ہوئی اور آہ وزاری کرتی ہوئی دیکھوں۔ اس عورت نے امیر سے کچھ رقم طلب کی تاکہ وہ اس رقم سے اپنی بیٹی کی شرمگاہ کی تلافی کر سکے جسے امیر کے لڑکے نے گزند پہنچایا تھا۔ لیکن امیر نے اس عورت کو یہ کہہ کر دھتکار دیا کہ اس بدفعلی میں تیری لڑکی اور میرا لڑکا دونوں برابر کے شریک ہیں۔ لہٰذا تجھ کو مانگنے کا کوئی حق ہے نہ تیری لڑکی کو۔ میں نے ایک اور شخص کو دیکھا جس نے ایک جوان لڑکی سے شادی کی تھی گرچہ اس کے رشتہ داروں سے اسکی قدیمی دشمنی تھی۔ شب عروسی میں جب خلوت میسّر ہوئی تو وہ چلّا چلّا کر کہنے لگا۔ "یہ لڑکی مشکوک ہے" اور باہر نکل آیا۔ لوگوں نے اسے سچ مانا اور اس کے نتیجہ میں اس نے اپنا انتقام بری طرح سے لیا۔ علیٰ ہٰذا القیاس میں نے اپنی آنکھوں سے ایک تیسرے شخص کو دیکھا جس کے پاس ایک بازاری عورت آئی اور اپنی عصمت فروشی کے عوض میں اس نے کچھ زر طلب کیا۔ اس شخص نے خیال کیا کہ ایسی عورت اگر اس کے گھر پر آئے تو اس کی شہرت اور ناموری پر دھبہ لگے گا لہٰذا اسے دھکا دیکر نکلوا دیا۔ حالانکہ اسی شخص نے اس عورت کو بگاڑ کر اپنی ہوا و ہوس کا شکار بنایا تھا۔ ان باتوں کو دیکھ کر میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ میں عورت کو لوگوں کی طرح حقارت کی نظر سے نہ دیکھوں۔ میں اسے ہمیشہ معذور سمجھتا رہوں گرچہ اس سے لغزش سرزد ہو اور اسے مردوں سے اپنا جائز حق دلواؤں۔

میرے لئے ممکن نہ تھا کہ میں الگ تھلگ رہ کر زندگی گذاروں اور نہ یہ میرے اختیار میں تھا کہ میں بہترین لوگوں کی صحبت میں رہوں۔ مجھے سب طرح کے لوگوں سے نباہ کرنا پڑا۔ میرے دوستوں نے اپنا وعدہ کبھی پورا نہ کیا۔ میرے ساتھیوں نے رازداری سے کام نہ لیا۔ نہ میں نے کسی سے قرض لیا اور نہ میرے قرض کو کسی نے ادا کیا۔ اگر کسی نے کوئی چیز مجھ سے عاریۃً لی تو لوٹانے کا نام نہ لیا۔ نہ کسی نے میرا شکریہ ادا کیا اور

نہ ہی میرے دکھ کی کسی نے دوا کی۔ مجھے زندگی میں ایسے لوگوں سے بھی پالا پڑا جو میرے ملاقاتی تھے اور میرے ہاں ان کا کھانا پینا رہتا تھا۔ مگر موقع پاکر انہوں نے میرے ہی مال پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ چند ایسے بھی تھے جو اپنے دلوں میں آرزو لئے بیٹھے تھے اور میں ان کی آرزوؤں کو پامال کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر میں ان کی آرزو برآری نہ کر سکا تو وہ میرے کٹر دشمن ہو گئے۔ چند اور بھی تھے جو مجھ سے دشمنی کرنا اپنا نصب العین بنائے ہوئے تھے۔ ان کے دماغ میں کچھ خناس بھرا ہوا تھا جو وہ مجھ پر نکالنا چاہتے تھے۔ پھر چند ایسے بھی تھے جو قعر مذلت میں گرے ہوئے تھے اور میری تذلیل و تحقیر کرنا چاہتے تھے تاکہ انہیں شہرت حاصل ہو۔ انہوں نے میرے کندھوں کو بلند و بالا پایا اور ان پر چڑھنے کی کوشش کی۔ میں نے بھی انہیں گرانے یا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی پھر چند ایسے بھی ملے جو دوری کی بنا پر میری عزت کرتے تھے لیکن جب وہ مجھ سے نزدیک ہونے لگے تو میں ان کی نظروں میں ان سے کمتر معلوم ہونے لگا چند اور تھے جو مجھ سے میرے اقبال کی وجہ سے ملتے تھے اور میرے ادبار کی وجہ سے مجھ سے برگشتہ ہو جاتے تھے۔

ان تمام باتوں سے میرا دل مکدر ہو گیا۔ پھر بھی میں نے مکارم الاخلاق کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ لیکن لوگوں کے بارے میں میری اپنی رائے ہو گئی۔ دنیا میں مجھ جیسے ناتواں اور بدحال لوگ بہت ہیں لہٰذا میں نہیں چاہتا کہ انہیں تکالیف کا سامنا کرنا پڑے میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ میں بدمعاشوں کی شرارتوں کو بے نقاب کر دوں تاکہ وہ کسی کو دھوکا نہ دیں اور نہ کسی کے کندھے پر اپنی بندوق چلائیں۔

میری پرورش ایسے لوگوں میں ہوئی ہے جو بالکل سیدھے سادہ ہیں اور نہ صرف مذہب کے پابند ہیں بلکہ اپنے وطن کے دلدادہ ہیں۔ حالات سے مجبور ہو کر میں نے زمانہ کے رسوم اور احکام کا ساتھ دیا ہے پھر بھی میں اپنے مذہب اور وطن کا گرویدہ ہوں میں نے مغربی تہذیب کا اثر چاروں طرف پھیلا ہوا پایا۔ لیکن میں نے اس سے دور رہنے کی کوشش کی۔ اسے میں نے ایک بلند چوٹی سے معائنہ کیا جو سرسری

اور طائرانہ نہ تھا بلکہ عمیق تھا۔ میں نے اس کے تمام پہلوؤں پر خواہ وہ اچھے ہوں یا برے نظر دوڑائی اور تاڑ لیا کہ اس میں سے کیا کیا اپنایا جا سکتا ہے اور کیا کیا تیاگ کیا جا سکتا ہے اس معاملہ میں لوگوں کو ہم نوا کرنے کی کوشش بھی کی گئی تاکہ نادان لوگ اس مادی تہذیب کے برے اثرات سے بچا لئے جائیں ایسا نہ ہو کہ لاعلمی اور کم عقلی کی بنا پر اس کے اثرات کے قبول کرنے والے کو اس قا ن پر زچ کیا جائے کہ اس نے کیا لیا ہے اور کیا نہیں لیا۔ یہ کوئی منطقی اصول نہیں ہے جس پر تصورات اور کلیات کی صحیح ہونے یا نہ ہونے کا حکم لگایا جائے۔ اور ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص خلد کے مقابلے میں اپنے یورپی طرز کے کمرہ کے خادم سے زیادہ شرمسار ہو کیونکہ وہ یورپی طرز سے کپڑے پہننے کی یا جوتا اتارنے کی واقفیت نہیں رکھتا۔ یا ایسا نہ ہو کہ اہل مشرق کی نظروں میں ان کی تاریخ اور ان کے علماء فلاسفہ اور شعراء بدترین نظر آنے لگیں۔ اور باوجود صحیح معلومات تاریخ کو برا گردانا جائے یا ایسا نہ ہو کہ ایک فرنگی آبدار اکیلا وہ کام کر گذرے جو اس کی قوم اجتماعی طور سے نہیں کر سکتی۔ بالفاظ دیگر وہ آبدار ہم لوگوں کو اس کی زبان میں بات کرنے پر مجبور کرے بجائے اس کے وہ ہماری زبان میں بات کرے۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ وہ ہم لوگوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرے نہ کہ ہم اسے خوش رکھیں۔

ان تمام باتوں کو تم النظرات میں پاؤ گے۔ میں ان تمام باتوں سے متاثر ہوا ہوں۔ اور میرے قلم نے میرے دل کی ترجمانی کی ہے۔ میں نہ خود فریبی میں مبتلا ہوں اور نہ کسی اور کو دھوکا دینا چاہتا ہوں۔

میری نظروں میں کسی ثانوی حیثیت والے انشا پرداز کی کوئی وقعت نہیں ایسا انشا پرداز وہی ہو سکتا ہے جو لوگوں کی باتوں کو قلم بند کرے۔ اس کو میں فنکار کہوں گا کیونکہ وہ ترجمان ہے نہ کہ مقرر۔ وہ ایک سنار اور موتی پرونے والے کے مانند ہے۔ جو غیروں کی چیزوں پر اپنا فن دکھلاتے ہیں۔ ادیب صحیح معنی میں وہ ہے جو اپنے پیچھے ایک کارنامہ چھوڑ جاتا ہے جس کے پڑھنے سے اس کے خدوخال نظر آتے ہیں اور اس کے دل کی باتوں کا سراغ ملتا ہے۔ اگر آئینہ صفت ہو کر کوئی ادیب اپنے ماحول کو پیش کرے تو وہ

گھاٹے میں رہے گا جس کی تلافی دنیا کے تمام مال و جاہ سے بھی نہیں ہو سکے گی۔ تاریخ میں وہی ادیب جگہ پا سکتا ہے جس نے اپنی کتاب میں روح چھوڑی ہے۔ اگرچہ وہ دنیا سے رحلت کر گیا ہے پھر بھی اس دنیا میں اس کی روح کارفرما رہتی ہے۔

انشا پرداز اپنی انشا کی وجہ سے زندہ رہتا ہے۔ جو خود فریبی میں مبتلا ہو اور دوسروں کو بھی دھوکا دیتا ہو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ آج کچھ کہتا ہے اور کل اس کے خلاف عمل کرتا ہے۔ اس کی رائے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے وہ اوروں کو رُلا سکتا ہے مگر خود نہیں روتا وہ دوسروں کو رحم و کرم کرنے پر ابھارتا ہے مگر خود کبھی اس کا مظہر نہیں ہوتا۔ وہ خود امن و راحت کی زندگی گذارتا ہے مگر دوسروں کو لڑاتا رہتا ہے۔ تمام لوگ اس کے کاموں سے حیران اور سرگردان رہتے ہیں اور اس سے کنارہ کش ہونا چاہتے ہیں۔

انشا پردازی مال و متاع نہیں کہ اسے سوداگر ایک منڈی سے دوسری منڈی میں لے جائیں یا ایک گودام سے ہٹا کر دوسرے گودام میں ڈال دیں۔ وہ تو ایک فطری چیز ہے جو بغیر کسی تکلف کے وجود میں آتی ہے جیسے سورج سے روشنی یا آواز سے صدائے بازگشت یا پھول سے مہک۔ وہ ایک شعاع ہے جو ادیب کی ذات سے پھوٹتی ہے۔ یا ایک نوا رہ ہے جو اس کے سینہ سے ابلتا ہے اور قلم کی زبان سے بہتا ہے۔ وہ علم و فضل اور لسانیاتی تبحر سے پرے ہے۔ اگر اس کا دارومدار علمیت پر ہو تو بہترین انشا پرداز اور بلند پایہ شاعر علمائے لغت اور کتب کے ذخیرہ اندوز اور بہترین باتوں کو یاد رکھنے والے لوگ ہوتے۔ علمیت کے اعتبار سے شریعت، فلسفہ اور منطق کی اکثر و بیشتر کتابوں کے لکھنے والے ایسے علماء ہیں جو مستند مانے جاتے ہیں۔ ان کتابوں کو لکھے ہوئے صدیاں گذر چکی ہیں لیکن ہم میں سے بہتوں کو ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ قوتِ حافظہ کی رو سے قاریوں کو یا فقیہوں کو لے لیجئے ان سے بڑھ کر قرآن پاک یا علم الحدیث کو یاد رکھنے والا شاید ہی کوئی ملے لیکن ادبیات میں ان کا کوئی پایہ یا مرتبہ نہیں۔ اب رہی زباندانی تو متقدمین یا متاخرین میں شاید ہی کوئی

عالم یا محقق ہو جو انشا پردازی میں یا شعر گوئی میں یا کسی علمی کارنامے میں گوئے سبقت لے گیا ہو۔ خلیل بن احمد ہی کو لے لیجئے جب ان سے شعر گوئی کے متعلق بات ہوتی تھی تو وہ کہا کرتے تھے "اچھے شعر مجھ سے گریز پا ہوتے ہیں اور برے شعروں سے میں گریز پا ہوتا ہوں" اصمعی لغت کے تیسرے حصہ کو یاد رکھتے تھے اور ابوزید الانصاری نصف حصہ کو اور ابو مالک لغت کے پورے حصہ کو یاد رکھتے تھے۔ یہی بات نضر بن شمیل۔ ابو عبیدہ۔ ابن درید۔ الازھری۔ الصاغانی۔ ابن فارس۔ ابن الاثیر۔ جوہری اور فیروزآبادی کے متعلق کہی جا سکتی ہے۔ ہم نے ان کی کوئی خاص بات کسی صنعت میں نہیں دیکھی۔ ابوالعباس المبرّد اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں "میری اپنی ذات محتاج بیان نہیں ہے۔ سب کو عیاں ہے کہ شاید ہی کوئی معمّہ کی بات ہو جس کا حل میرے پاس نہ ہو۔ میں عالم بھی ہوں اور متعلّم بھی۔ میں حافظ بھی ہوں۔ اور کتابوں کا مطالعہ کرنے والا بھی۔ اشعار میں یا نحو میں یا خطبات و رسائل میں میرے لئے کوئی بات گنجلک نہیں۔ بعض اوقات جلدبازی کی وجہ سے مجھے عذرخواہی کرنی پڑتی ہے یا کسی ضرورت کے تحت خاص مطلب کو پیش نظر رکھ کر مجھے مجبوراً کچھ لکھنا پڑھنا ہے۔ لیکن نہ میری زبان میرا ساتھ دیتی ہے نہ میرا ہاتھ۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عبیداللہ بن سلیمان نے میرا ذکر خیر کسی محفل میں کیا۔ جب یہ بات مجھے معلوم ہوئی تو میں نے چاہا کہ میں انہیں ایک خط لکھوں جس میں اپنے مطلب کی بات بیان کرنے کے علاوہ ان کا شکریہ بھی ادا کروں۔ سارا دن اسی دھن میں لگا دیا۔ لیکن کوئی بات ایسی نہیں لکھ پایا جس کو میں پسندیدہ سمجھتا تھا۔ میں نے بہتیری کوشش کی کہ اپنے دل کی بات لکھوں مگر زبان اسے ادا کرنے سے گریز کرتی رہی"

متنبّی اور ابوتمّام کے دیوان کو کھنگالئے یا ابوالعلاء المعرّی کی نظم و نثر کا مطالعہ کیجئے یا حریری کے مقامات کو اور ابن درید کے مقصورہ کو پڑھیے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ انہوں نے اپنے کارناموں میں لغت کی بھرمار کی ہے۔ یہ لوگ اور ان جیسے دوسرے حضرات نے اپنی کتابوں میں آورد سے کام لیا ہے۔ میں ان کتابوں کو

پڑھتا ہوں تو مجھے رنج ہوتا ہے اور میں کہتا ہوں "کاش عربی ادب اس سے بہتر ہوتا! کاش اللہ جل شانہٗ ابوالعلاء المعرّی کے لزوم مالا یلزم کو لغت کی بھرمار اور عروض کی جکڑبندیوں سے آزاد رکھتا! آج بھی تم اپنے زمانے کے شعراء اور انشاپردازوں کو دیکھو۔ باوجود اس کے کہ وہ "المجتمع العربی" کے رکن ہیں اور اپنی زورِ قلم سے سیاسی، اجتماعی اور ادبی زندگی میں عربی زبان کے محافظ مانے جاتے ہیں اور علم النحو اور علم اللغۃ کے مانے ہوئے استاد ہیں اور باوجود اس کے کہ وہ زبان کی باریکیوں، مترادفات اور غرائب الالفاظ سے بہت آشنا ہیں اور جنہیں عبارت آرائی میں زیادہ دخل ہونا چاہیئے۔ لیکن بوقت ضرورت وہ اپنے اظہارِ خیال میں قاصر رہتے ہیں اور نامانوس الفاظ کے گورکھ دھندے میں پڑ جاتے ہیں۔

ادیبوں اور ماہرین لسانیات میں بڑا فرق ہے۔ ادیب ایک انشاپرداز ہوتا ہے اور ماہر لسانیات کا کام الفاظ کے صحیح یا غیر صحیح ہونے پر حکم لگانا ہے۔ بالفاظ دیگر ان دونوں کے درمیان وہی فرق ہے جو کپڑے بننے والے میں اور کپڑا صاف کرنے والے میں ہے۔ ایک کا کام کپڑا بنانا ہے اور دوسرے کا کام کھُردرا پن نکالنا ہے۔ یا یوں کہئے کہ وہ فرق اتنا ہی ہے جتنا کہ ایک شاعر اور ایک عروضی میں ہے۔ شاعر کا کام ہے شعر کا کہنا اور عروضی کا کام ہے شعر کو اوزان اور بحور پر جانچنا۔ کسی لفظ کو لانے یا خارج کر دینے کا نام عبارت نویسی نہیں ہے۔ البتہ الفاظ کی بندش، روانی، حسن ادا اور بیجا باتوں سے احتراز کرنے کو ہم عبارت نویسی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے انسان انشاپرداز اور قادر الکلام شاعر ہو سکتا ہے۔ بے محل اور غیر فصیح الفاظ کے استعمال کرنے سے یا لسانیات کے اصول کو نظرانداز کرنے سے علمیت پر ایک بدنما داغ لگتا ہے اور حافظہ کی کمزوری پر محمول کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے عبارت نویسی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اشعار اگر فطری طور پر کہے گئے ہیں تو جاہلیت کے شعراء کے اشعار کے ہم پلّہ گنے جائیں گے۔ جاہلیت کے شعراء میں بعض اوقات الفاظ کا غلط استعمال پایا جاتا ہے لیکن بقول ابی علی الفارسی یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ ان کی جودت طبع ان کی زبان پر غالب تھی۔ ایسی غلطیاں نادانستہ

طور پر سرزد ہوئی ہیں اور ان کے اشعار کی ماہیت پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ کیا جسم میں اگر کوئی چیز زائد پائی جائے یا کوئی چیز خارج کر دی جائے تو جسم کی حقیقت میں فرق آجاتا ہے؟ علیٰ ہذا القیاس عبارت کی ہیئت ترکیبی میں کسی لفظ کے گھٹنے یا بڑھنے سے کوئی فرق نہیں آسکتا۔

کپلنگ (KIPLING) کے کسی دلدادہ سے کہا گیا کہ کپلنگ لسانیات اور گرامر میں بہت غلطیاں کرتا ہے پھر اس سے والہانہ آشفتگی کے کیا معنی؟ جواب ملا کہ "اس کی ایک سطر زبان کے تمام قوانین کے مقابلہ میں زیادہ وقیع ہے۔ گرامر کے قوانین کو بالائے طاق رکھئے۔ ہمیں تو کپلنگ کے ادبی اور جمالیاتی پہلو سے سروکار ہے"۔

زبان کی اشاعت و ترویج میں اور اس کو زندہ جاوید بنانے میں ادیب کا مرتبہ ماہر لسانیات سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ ادیب زبان کے مختلف پیرایوں کو ہموار کرتا ہے اور نامانوس الفاظ نکال کر ان کی جگہ پر مانوس الفاظ لاتا ہے۔ وہ در شاہوار کی طرح ایک لڑی میں الفاظ کو ترتیب دیتا ہے تاکہ عوام آسانی سے سمجھ سکیں ایسی مثالیں شاذ و نادر ہی ملیں گی کہ زبان کو معاجم (فرہنگوں) سے کسی نے سیکھا ہو یا صرف و نحو کی کتابوں سے فعل، فاعل اور مفعول کی شناخت کی گئی ہو۔

ماہر لسانیات کو ادبیات سے نفرت نہیں ہوتی اور نہ ادبیات میں دلچسپی لینے والے کو لسانیات سے نفرت ہوتی ہے۔ لسانیات میں مہارت حاصل کرنا ادبیات کے لئے ایک بنیادی کام ہے۔ مگر لسانیات سے شوق و شغف رکھنا اور لسانیاتی باریکیوں میں لگے رہنا بذات خود ایک مقصد ہے جسے ہم ذریعہ نہیں کہہ سکتے۔ فن انشا کے لئے لسانیات کے علاوہ دوسرے کئی اور ذرائع اور وسائل ہیں۔ ان تمام وسائل کو حاصل کرنے سے انشا پرداز پر حاوی ہونا ممکن ہے۔ جس طرح ایک بچہ جسمانی ورزش سے تنومند اور توانا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح انشا پرداز بھی ہر پہلو سے بات کرنے کے ڈھنگ پر آزادی اور اعتماد پیدا کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ فطرت اسکی رہنمائی کرے۔

ماہر لسانیات پر خوف اور قسم قسم کے وسوسے غالب رہتے ہیں۔ اگر وہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے خیال آتا ہے کہ شاید پیر دں تلے زمین نرم ہے۔ دھس جائے گی۔ یہ خوف اور وسوسے اسے مقصد سے دور رکھتے ہیں۔ برعکس اس کے انشا پرداز الفاظ کی اہمیت کو پہچانتا ہے اور اپنے مطلب کو بیان کرنے میں کسی غیر متعلقہ چیز کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ الفاظ اس کی سامنے خادم اور غلام کے مانند دست بستہ حاضر رہتے ہیں اور اس کا مقصد نہایت خوبی سے ادا کر دیتے ہیں۔ ایسا نہ ہو تو اس کے ہاتھ سے اصلی بازی نکل جاتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علمیت۔ قوتِ حافظہ، رسائل کا مطالعہ، لسانیاتی تبحر اور علم النحو پر عبور پانا یہ سب انشا پردازی کے مددگار اور معاون عناصر ہیں۔ جو ذرائع کا کام دیتے ہیں ظاہر ہے کہ ان پڑھ آدمی کچھ نہیں لکھ سکے گا۔ عربی نظم و نثر کے مختلف اسالیب سے آگاہی حاصل کرنا زبان کو صاف اور ستھری بنانے کے مترادف ہوگا۔ قوت حافظہ کی بناء پر لغوی مادہ تلاش کیا جا سکا اور زباندانی کے قوانین سے صحیح الفاظ ملیں گے اور مطلب بھی اچھی طرح بیان کیا جا سکے گا۔ اسی کا نام فصاحت ہے۔

بیشتر حضرات نہ انشا پرداز ہوتے ہیں نہ شاعر۔ اگر اتفاقیہ طور پر انہوں نے کوئی شعر کہا ہے یا کچھ لکھا ہے تو اس کی مثال ایک قالب کی ہے جس میں تناسب کا لحاظ رکھا گیا ہے مگر وہ بے روح ہے۔ ایسے اشعار اور تحریریں میں کوئی جان نہیں ہوتی۔ اس میں نہ طبع رواں ہے نہ ذوق سلیم۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنا فلسفہ قدرت کے مناظر اور کارناموں میں داخل کرے اور وہ نہ بگڑیں۔ چنانچہ جن کاموں کی بنیاد فطری ذوق پر ہوتی ہے وہاں تکلف اور آورد سے کام نہیں لیا جاتا۔